مفتی محمد عبید اللہ عفیف

قربانی کے مسائل و آداب

یادگار ابراھیم علیہ السلام:

جیسا کہ ہر مسلمان مرد و عورت کو معلوم ہے کہ قربانی نہ صرف ایک اہم عبادت ہے بلکہ حضرت ابراھیم خلیل اللہ اور ان کے فرزند جلیل حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہما السلام کی یادگار بھی ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (رواہ احمد و ابن ماجہ۔ مشکوۃ ۱۲۹) کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ یہ قربانیاں کیا ہیں ؟ تو آپ نے فرمایا یہ تمہارے بابا ابراھیم علیہ السلام کی سنت ہے

لہذا اسے اگر شرعی احکام و آداب کے تحت سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے مطابق ادا نہ کیا جائے تو اس کے روح اور ثواب کے ضائع اور رائیگاں جانے کا خطرہ ہے۔ چنانچہ بفحوائے حدیث " الدین النصیحہ (صحیح بخاری) اس کے احکام و آداب بیان کئے جاتے ہیں۔ واللہ الموفق و نعم المعین۔ عفیف

عید الاضحی کا بہترین عمل:

" عن عائشہ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما عمل ابن آدم من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اھراق الدم (رواہ الترمذی وابن ماجہ مشکواہ صفحہ ۱۲۸)

حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قربانی کے دن اللہ تعالی کو کوئی عمل اتنا زیادہ پسند نہیں جتنا خون بہانے (قربانی ذبح کرنے) کا عمل محبوب ہے۔

قربانی کا اجر و ثواب:

" و انہ لیاتی یوم القیامہ بقرونہا و اشعارہا و اظلافہا وان الدم لیقع من اللہ بمکان قبل ان یقع بالارض فطیبوا بہا نفسا (رواہ الترمذی وابن ماجہ مشکواہ صفحہ ۱۲۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن قربانی کے جانور کے

سینگوں، بالوں اور اس کی کھروں کا بھی وزن ہو گا۔ اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے قبل ہی اللہ تعالٰی کے ہاں مقبولیت پا لیتا ہے پس خوشدلی کے ساتھ قربانی دیا کرو۔

حضرت زید بن ارقم کی مذکورہ الصدر حدیث کے آخر میں ہے " قالوا فما لنا فیھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بکل شعرۃ حسنۃ قالوا فالصوف یا رسول اللہ قال بکل شعرۃ من الصوف حسنۃ (رواہ احمد وابن ماجہ مشکوٰۃ صفحہ ۱۲۹) صحابہ کرام نے عرض کیا کہ حضرت! ہمیں اس قربانی کا کتنا اجر و ثواب ملے گا۔ آپ نے فرمایا ہر ایک بال کے بدلے ایک نیکی ملے گی۔ صحابہ نے پھر سوال کیا کہ (بھیڑ۔ دنبہ اور اونٹ وغیرہ کی) اون کا کیا حکم ہے فرمایا اون کے ہر ایک بال کے بدلے ایک نیکی ملے گی۔

عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت:

قرآن مجید میں مفسرین کے مطابق انہیں عشرے کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورہ حج میں فرمایا " ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام " اور ایام معلومات میں اللہ کا نام لیں۔ ان چارپاؤں پر جو اللہ نے ان کو عطا فرما رکھے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی تفسیر کے مطابق ایام معلومات سے مراد ذوالحجہ کے پہلے دس دن ہیں۔ حضرت ابو موسی اشعری۔ مجاہد۔ قتادہ۔ امام شافعی، امام احمد و غیرھم نے بھی دن مراد لئے ہیں۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ ان ایام میں اللہ کا ذکر خاص اہمیت رکھتا ہے۔

سورہ فجر کے آغاز میں اللہ تعالٰی نے اس عشرے کی راتوں کی قسم اٹھائی ہے۔ " والفجر ولیال عشر والشفع والوتر واللیل اذا یسر " صبح کی قسم اور (ذی الحجہ) دس راتوں کی قسم اور جفت اور طاق کی قسم۔ اور رات کی جب وہ گزرنے لگے۔

اگرچہ دس راتوں کا لفظ عام ہے مگر حضرت جابر کی ایک مرفوع حدیث کے مطابق اس سے عشرہ ذی الحجہ کی پہلی راتیں مراد ہیں۔ وتر سے مراد یوم عرفہ یعنی نوذی الحجہ اور شفع سے مراد یوم النحر (دس ذوالحجہ) امام حاکم نے دس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس لئے جمہور مفسرین اسی طرف گئے ہیں۔ کہ اس سے ذی الحجہ کی پہلی دس راتیں مراد ہیں امام ابن کثیر نے اس روایت کے موقوف ہونے کی تصحیح کی ہے۔

کتنا بابرکت عشرہ ہے جس کے دنوں اور راتوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھائی ہے ۔ علاوہ ازیں ان مبارک دنوں کی فضیلت میں کئی ایک احادیث منقول ہیں ۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے " عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما العمل فی ایام افضل منھا فی ہذہ قالوا ولا الجہاد قال ولا الجہاد " (صحیح البخاری باب فضل العمل فی ایام التشریق جلد ۱ صفحہ ۳۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس عشرہ میں کوئی عمل خیر جتنا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اتنا کسی اور دن میں نہیں ہوتا عرض کیا کیا جہاد بھی اتنا افضل نہیں فرمایا جہاد بھی نہیں

عشرہ ذی الحجہ اور کثرت ذکر الہٰی :

ان ایام میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تہلیل و تکبیر بکثرت کرتے رہنا چاہئے حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من ایام اعظم عند اللہ سبحانہ ولا احب الیہ العمل فیھن من ہذہ الایام العشر فاکثروا فیھن من التہلیل والتکبیر والتحمید (رواہ احمد بحوالہ نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۲۵۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں سے زیادہ عظمت والے نہ کوئی دن ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو اس عشرہ کی بہ نسبت اور دنوں کا عمل خیر زیادہ محبوب ہے ۔ اس عشرہ میں لا الہ الا اللہ ۔ اللہ اکبر اور الحمد للہ کا وظیفہ بکثرت کیا کرو ۔

عشرہ ذی الحجہ کے روزے :

" عن حفصہ قالت اربع لم یکن یدعھن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صیام یوم عاشوراء والعشر و ثلاثۃ ایام من کل شھر والرکعتین قبل الغداۃ (رواہ احمد والنسائی)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چار کام کبھی نہ چھوڑتے تھے (۱) دسویں محرم کا روزہ ، (۲) عشرہ ذی الحجہ کے ۹ روزے ، (۳) ہر ماہ کے تین روزے (۴) اور نماز فجر کی دو سنتیں ۔

" عن ابی ھریرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من ایام احب الی اللہ ان یتعبد لہ فیھا من عشر ذی الحجہ یعدل صیام کل یوم منھا صیام سنۃ و قیام کل لیلۃ منھا بقیام لیلۃ القدر ۔ قال ابو عیسی ھذا حدیث غریب

ای ضعیف (تحفہ الاحوذی جلد ۲ صفحہ ۵۹ باب ما جاء فی العمل فی ایام العشر "

عشرہ ذی الحجہ کے علاوہ دوسرے دنوں میں کی گئی عبادت اللہ تعالیٰ کو اتنی محبوب نہیں جتنی اس عشرہ کی عبادت محبوب ہے ۔ اس عشرہ کے ایک ایک روزہ سال بھر کے روزے کے برابر اور ایک ایک رات کا قیام لیلہ القدر کے قیام کے برابر ہے ۔

وجہ فضیلت :

عشرہ ذی الحجہ کی اس فضیلت اور مزیت کی وجہ یہ کہ اس میں نماز ' صدقہ ' روزہ اور حج ایسی چار امہات العبادہ جمع ہو جاتی ہیں جبکہ دوسرے کسی عشرہ کو یہ مزیت اور خوبی میسر نہیں ۔ اعتراض ۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا ۔

جواب ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر یا مرض وغیرہ کی وجہ سے یہ روزے چھوڑے ہوں گے ' علاوہ ازیں حضرت عائشہ کو ان روزوں کا علم نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے واقعی روزے نہ رکھے ہوں ۔

یوم عرفہ کا روزہ :

" عن ابی قتادہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صوم یوم عرفہ یکفر سنتین ماضیہ و مستقبلہ و صوم یوم عاشورہ یکفر سنہ ماضیہ (رواہ الجماعہ الا البخاری والترمذی ' نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۲۶۷)

جناب ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرفہ (نوذی الحجہ) کا روزہ گزشتہ اور آئندہ دو سالوں کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور دسویں محرم کا روزہ گزشتہ ایک سال گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے ۔

(۱) **وضاحت** ۔ آئندہ سال گناہوں کا کفارہ بننے کا مطلب یہ ہے کہ اس روزے کی برکت سے گناہوں سے بچنے کی توفیق مل جاتی ہے ۔ یا پھر اس کی برکت سے توبہ قبول ہو جاتی ہے ۔

(۲) **وضاحت** ۔ عرفہ کا روزہ غیر حاجی کے لئے ہے ۔ حاجی لوگ میدان عرفات میں عرفہ کا روزہ نہ رکھیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجی کو میدان

عرفات میں روزہ سے منع فرمایا ہے۔

باآواز بلند تکبیرات کہنا:

صحیح البخاری باب فضل العمل فی ایام التشریق میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ایام معلومات میں اللہ کا ذکر کرو۔ ان ایام معلومات سے مراد عشرہ ذی الحجہ ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما جب ان دنوں میں بازار کی طرف نکلتے تو باآواز بلند تکبیریں کہتے اور دوسرے لوگ بھی ان کی اقتداء میں تکبیریں پڑھتے تھے۔ و کان ابن عمر و ابوھریرہ یخرجان الی السوق فی الایام العشر یکبران و یکبر الناس بتکبیرھما (صحیح البخاری جلد ۱ صفحہ ۱۳۲)

قربانی کی تعریف:

اللہ تعالیٰ کا تقرب اور نزدیکی حاصل کرنے کی غرض سے بہیمۃ الانعام اونٹ۔ گائے۔ دنبہ۔ بھیڑ اور بکری ذبح کرنے کا نام قربانی ہے۔

مشروعیت:

قرآن مجید میں ہے۔ " فصل لربک وانحر ' الکوثر " نبی اپنے رب (کی یاد) کے لئے نماز پڑھ اور قربانی کر۔ نیز فرمایا " والبدن جعلناھا لکم من شعائر اللہ لکم فیھا خیر فاذکروا اسم اللہ علیھا صواف فاذا وجبت جنوبھا فکلوا منھا و اطعموا القانع والمعتر کذلک سخرناھا لکم لعلکم تشکرون " (سورہ الحج ۳۶) اور قربانی کے اونٹوں کو بھی ہم نے اللہ کے نام کی ادب والی چیزوں میں سے بنایا ہے ' ان میں تمہارا فائدہ ہے " (دین اور دنیا کا) ان پر جب وہ پاؤں بندھے کھڑے ہوں (نحر کے وقت) اللہ کا نام لو۔ پھر جب وہ کروٹوں کے بل گر جائیں۔ تو خود بھی ان میں سے کھاؤ اور صبر سے بیٹھنے والے فقیر اور مانگنے والے فقیر دونوں کو کھلاؤ۔ ہم نے اس طرح ان جانوروں کو تمہارے بس میں کر دیا ہے۔ اس لئے کہ تم شکر کرو "۔

ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ قربانی ایک مشروع عمل ہے اور ایک متوارث کار خیر ' اور شعار اسلام ہے۔ جو آج سے سات آٹھ ہزار برس پہلے سے چلی آ رہی

ہے۔

قربانی کی حکمتیں:

اس میں بہت سی حکمتیں کار فرما ہیں۔ چند ایک حوالہ قرطاس کی جاتی ہیں۔ (۱) تقرب الی اللہ کا حصول۔ جب ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے فرمان اپنے رب کی نماز پڑھ اور قربانی ذبح کر پر عمل پیرا ہوتے ہوئے قربانی کا جانور ذبح کرتا ہے۔ تو اس کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح استوار ہو جاتا ہے کہ ان صلواتی و نسکی و محیای ومماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذلک امرت کے مقام کو چھونے لگتا ہے۔

(۲) احیاء سنت ابراہیمی۔ (۳) اظہار تشکر۔ جانوروں کی اس تسخیر پر کہ اللہ تعالیٰ نے عید الاضحی کے اس مبارک موقع پر اکل و شرب کی فراوانی مہیا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کی اس عنایت پر اس کا بالفعل شکر ادا کیا جائے جیسا کہ فرمایا " فاذا وجبت جنوبہا فکلوا منہا و اطعموا القانع و المعتر (الحج ۳۶)

قربانی سنت موکدہ ہے:

قربانی کے واجب اور سنت ہونے میں اختلاف ہے۔ امام ربیعہ، لیث بن سعد اور اوزاعی وجوب کے قائل ہیں، امام حنیفہ صاحب نصاب پر واجب کہتے ہیں قائلین وجوب کی سب سے اہم دلیل حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ذیل ہے۔

" جناب ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ میں آنے کی کوشش نہ کرے۔ " لیکن یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں یعنی صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ کا اپنا فتویٰ اور قول ہے مرفوع حدیث نہیں۔

دلائل وجوب کے بارے میں امام نووی لکھتے ہیں قربانی کے وجوب پر کوئی صحیح دلیل نہیں لہذا راجح یہی ہے کہ قربانی سنت موکدہ ہے۔ قربانی کے سنت ہونے کے عنوان سے دراصل امام بخاری قائلین وجوب کا رد کرنا چاہتے ہیں۔ اس عنوان کے تحت حضرت امام بخاری دو حدیثیں لائے ہیں۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم قربانی کے دن پہلے نماز عید الاضحی ادا کرتے ہیں پھر واپس آکر قربانی ذبح کرتے ہیں۔ پس جس شخص نے ایسا کیا تو اس نے ہمارا طریقہ (سنت) اختیار کیا۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نماز عید کے پہلے قربانی کا جانور ذبح کر ڈالے تو اس نے اپنی ذات کے لئے جانور ذبح کیا۔ یعنی قربانی نہ ہوئی اور جو نماز کے بعد ذبح کرے تو اس کی قربانی مکمل ہو گئی اور اس نے مسلمانوں کی سنت کو پا لیا۔

ان دونوں احادیث صحیحہ میں لفظ سنتا و سنہ المسلمین سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قربانی سنت واجب نہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ مرفوعا روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور قربانی کا ارادہ بھی ہو تو قربانی کرنے تک اپنے بال اور ناخن نہ کترو لو۔ اس حدیث سے قربانی کا عدم وجوب صاف جھلک رہا ہے۔ ورنہ یہ نہ فرمایا جاتا "اگر قربانی کرنے کا ارادہ ہو"۔

چنانچہ امام شافعی فرماتے ہیں۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ قربانی واجب نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد (واراد احدکم) میں قربانی کرنے کا اختیار قربانی کرنے والے کو سونپ دیا ہے۔ لہٰذا اگر قربانی واجب ہوتی تو آپ صرف یوں حکم دیتے کہ قربانی کرنے تک کوئی اپنے بال نہ بنائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے ایک آدمی نے پوچھا کیا قربانی واجب ہے۔ اس کو جواب دیتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور تمام مسلمان کرتے رہے۔ سائل نے اپنے طور پر اس جواب کو ناکافی سمجھ کر سوال کو دہرایا تو موصوف نے اس کے دوبارہ سوال پر پھر یہی جواب دیا۔ امام ترمذی اس جواب پر لکھتے ہیں کہ اہل علم کا عمل اس پر ہے کہ قربانی واجب نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

مگر قربانی کے واجب نہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں جیسا کہ پروفیسر رفیع اللہ شہاب اور آنجہانی پرویز اور دوسرے نام نہاد اہل قرآن کا

نظریہ ہے ۔ قربانی کی شرعی حیثیت اور منکرین قربانی کے تمام کچے پکے دلائل کا مسکت جواب ہمارے اس مبسوط اور تحقیقی مقالہ میں ملاحظہ فرمائیے جو ہم نے پروفیسر رفیع اللہ شہاب کے جواب میں ہفت روزہ الاعتصام شمارہ ۲۳ ۔ ۲۴ جلد مجریہ ۲۲ اگست سنہ ۱۹۸۶ء میں لکھا تھا ۔ جو پورے ۲۷ صفحات پر مشتمل ہے ۔ قربانی کا سنت موکدہ ہونا اس حقیقت سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں دس سال مقیم رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے ۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر یہ تصریح فرماتے ہیں

بہرحال ان احادیث صحیح کی رو سے قربانی سنت موکدہ ہی ثابت ہوئی ہے ۔ امام نووی ارقام فرماتے ہیں ہمارا مذہب یہ ہے کہ قربانی صاحب حیثیت کے حق میں سنت موکدہ ہے واجب نہیں اکثر اہل علم کا بھی یہی قول ہے لہذا حضرت ابو بکر صدیق ' حضرت عمر فاروق ' حضرت بلال ' حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہم سعید بن مسیب ' عطاء علقمہ اور اسود تابعین ' امام مالک ' امام احمد ' اسحاق ' ابو یوسف ' ابو ثور ' امام داؤد ظاہری کا بھی یہی مذہب کہ قربانی سنت موکدہ اور دین کا شعار ہے ۔

کیا قربانی کے لئے صاحب نصاب ہونا ضروری ہے ؟

حضرات حنفیہ کے نزدیک قربانی اس شخص پر واجب ہوتی ہے جس پر زکوۃ فرض ہو ۔ مگر راقم الحروف کے علم میں ایسی کوئی حدیث نہیں ۔ جس میں قربانی کے لے نصاب زکوۃ کی صراحت موجود ہو ۔ ہاں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں جو ابن ماجہ کے حوالہ سے عنوان نمبر ۱۳ میں گزر چکی ہے " من کان لہ سعۃ " یعنی جس میں قربانی کی ہمت کے الفاظ ضرور موجود ہیں مگر " سعۃ " بمعنی نصاب لینا بہرحال درست نہیں ۔ واللہ اعلم ۔

مسافر بھی قربانی کر سکتا ہے :

حنفیہ کے نزدیک قربانی اس شخص پر ہے جو مسافر نہ ہو مگر ان کا یہ کہنا بھی درست نہیں کیونکہ احادیث صحیحہ میں مسافر کی قربانی کا بھی ذکر موجود ہے چنانچہ صحیح بخاری میں ہے

" عن عائشہ رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل علیہا و حاضت بسرف قبل ان تدخل مکہ ... فلما کنا بمنی اوتیت بلحم فقلت ما ھذا قالوا ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ازواجہ بالبقر (صحیح البخاری ' باب الاضحیہ للمسافر والنساء جلد ۲ صفحہ ۸۳۲) "

حضرت عائشہ اپنے قصہ حج کے سلسلے میں فرماتی ہیں کہ جب ہم منی میں تھے تو میرے پاس گائے کا گوشت لایا گیا تو میرے استفسار پر گوشت لانے والوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی ذبح فرمائی ہے۔

افضل جانور:

قربانی کے لئے سب سے بہتر جانور دنبہ یا مینڈھا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر طور پر مینڈھا ہی قربانی کیا کرتے تھے۔ حضرت انس روایت فرماتے ہیں:

" عن انس بن مالک قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یضحی بکبشین وانا اضحی بکبشین (صحیح البخاری باب ضحیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بکبشین جلد ۲ صفحہ ۸۳۳) "

" حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو مینڈھے قربانی کیا کرتے تھے اور میں بھی دو مینڈھے قربانی کرتا ہوں "۔

قربانی کے جانور:

دنبہ ' مینڈھا ' گائے ' بکرا اور اونٹ نر اور مادہ قربانی کے جانور ہیں۔ مگر ہرن اور نیل گائے کی قربانی جائز نہیں چنانچہ ابن ماجہ کے حاشیہ میں ہے: " و اجمع العلماء انہ لا تجزی التضحیہ بغیر الابل والبقر والغنم الا ما روی عن الحسن بن صالح انہ قال یجوز التضحیہ ببقرہ الوحش عن سبعہ و بالظبی عن واحد وبہ قال داؤد فی بقرہ الوحش۔ (ابن ماجہ صفحہ ۲۲۷ حاشیہ سندھی نمبر ا باب ما یجزی من الاضاحی)

علماء امت کا اجماع ہے کہ قربانی میں صرف اونٹ ' گائے ' بکرا مینڈھا نر و مادہ ہی مخصوص ہیں مگر حسن بن صالح کے نزدیک نیل گائے سات حصہ داروں اور ہرن بھی ایک گھرانے کے لئے کافی ہے۔ اما داؤد ظاہری بھی نیل گائے میں اشتراک کے قائل ہیں۔

امام حسن بن صالح اور امام ابن حزم دونوں گرامی قدر بزرگوں کی اس رائے سے اس احقر کو اتفاق نہیں کیونکہ قرآن مجید کی تصریح کے مطابق قربانی کا جانور " بھیمۃ الانعام " میں سے ہونا چاہیئے جبکہ نیل گائے اور ہرن " بھیمۃ الانعام " میں ہرگز شامل نہیں چنانچہ قرآن مجید میں ہے ۔ تاکہ وہ (مسلمان) اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے پایوں پر اللہ کا نام لیں ۔ اور بھیمۃ الانعام سے صرف اونٹ ۔ گائے اور بھیڑ بکری مراد ہے ۔ اور تعامل صحابہ سے بھی یہی ثابت ہے ۔ زمانہ مشہور لھابالخیر میں اونٹ ۔ گائے ۔ بکری ۔ دنبہ ۔ بھیڑ کے سوا نیل گائے اور ہرن وغیرہ کی قربانی ثابت نہیں ۔

بھینس کی قربانی :

بھینس کی قربانی میں بھی اختلاف ہے ۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صاحب منجد اور دیگر علماء لغت نے بھینس کو نوع کبیر من البقر کہا ہے ۔ جس کی وجہ سے احناف اور بعض علماء اہلحدیث اس کی قربانی کے جواز کے قائل ہیں ۔ بالخصوص محقق شہیر حضرت مولانا عبد القادر عارف حصاری رحمہ اللہ جو کہ جماعت اہلحدیث کے نامور عالم مفتی تھے ان کا بھی ایک فتویٰ ہفت روزہ الاعتصام مورخہ ۸ نومبر سنہ ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا تھا ۔ جس میں انہوں نے بھینس کی قربانی کو جائز قرار دیا تھا ۔ مگر بعض دوسرے اکابر علماء اہلحدیث نے از راہ احتیاط بھینس کی قربانی جائز نہیں کہتے ۔ جیسا کہ مجتہد العصر حافظ عبد اللہ محدث روپڑی نے ارقام فرمایا ہے ۔ جیسا کہ وہ بھینس کی قربانی کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں ۔

سوال ۔ کیا بھینسا (کٹا) کی قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب ۔ قرآن مجید پارہ ۸ رکوع چار میں ہے ۔ بھیمۃ الانعام کی چار قسمیں بیان کی گئی ہیں دنبہ ' بکری ' اونٹ ' گائے ۔ اور بھینس ان چار میں نہیں اور قربانی کے متعلق حکم ہے بھیمۃ الانعام سے ہو ۔ اس بنا پر بھینس کی قربانی جائز نہیں ۔ ہاں زکوۃ کے مسئلہ میں بھینس کا حکم گائے والا ہے ۔ جیسے گائے تیس راس ہو جائیں اور وہ باہر چرتی ہوں اور ان کا چارہ قیمتاً نہ ہو ' ان میں ایک سال کا بچھڑا یا بچھڑی اس طرح بھینس میں جب

ان کی گنتی تیس ہو وہ باہر چرتی ہوں ۔ ان کا چارہ قیمتا نہ ہو تو ایک سال کا بچہ یا بچی زکوۃ ہے ۔ یاد رہے کہ بعض مسائل احتیاط کے لحاظ سے دو جہتوں والے ہوتے ہیں اور عمل احتیاط پر کرنا پڑتا ہے ۔ ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے والد زمعہ کی لونڈی سے زمانہ جاہلیت میں عتبہ بن ابی وقاص نے زنا کیا ۔ لڑکا پیدا ہوا ۔ جو اپنی والدہ کے پاس پرورش پاتا رہا ۔ زانی مرگیا اور اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص کو وصیت کرگیا کہ زمعہ کی لونڈی کا لڑکا میرا ہے ۔ اس کو اپنے قبضے میں کر لینا ۔ فتح مکہ کے موقعہ پر حضرت سعد بن ابی وقاص نے اس لڑکے کو پکڑ لیا اور کہا یہ میرا بھتیجا ہے ۔ زمعہ کے بیٹے نے کہا یہ میرے باپ کا بیٹا ہے لہٰذا میرا بھائی ہے ۔ اس کو میں لوں گا ۔ مقدمہ دربار نبوی میں پیش ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اولاد بیوی والے کی ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں یعنی وہ ناکام ہے ۔ اور اس کا حکم سنگسار کیا جانا ہے ۔ بچہ سودہ رضی اللہ عنہا کا پھر بھائی بن گیا ۔ لیکن سودہ کو حکم فرمایا ۔ اس سے پردہ کرے کیونکہ اس کی شکل و صورت زانی سے ملتی جلتی تھی ۔ جس سے شبہ ہوتا تھا کہ یہ زانی کے نطفہ سے ہے اس مسئلہ میں شکل و صورت کے لحاظ سے تو پردہ کا حکم ہوا اور جس کے گھر میں پیدا ہوا اس کے لحاظ سے اس کا بیٹا بنا دیا ۔ گویا احتیاط کی جانب کو ملحوظ رکھا ۔ ایسا ہی بھینس کا معاملہ ہے ۔ اس میں بھی دونوں جہتوں میں احتیاط پر عمل ہو گا ۔ زکوۃ ادا کرنے میں احتیاط ہے اور قربانی نہ کرنے میں احتیاط ہے ۔ اس بنا پر بھینسے کی قربانی جائز نہیں اور بعض نے جو یہ لکھا کہ الجاموس نوع من البقر یعنی گائے کی قسم ہے اور یہ پھر اسی زکوۃ کے لحاظ سے صحیح ہو سکتا ہے ۔ ورنہ ظاہر ہے کہ بھینس دوسری جنس ہے ۔)

(حافظ عبد اللہ روپڑی نہ ذی الحجہ سنہ ۱۳۸۳ھ فتاوی روپڑی ۔ ۲ ص ۹۰ ' ۹۱)

ہماری اس گفتگو سے واضح ہوا کہ اہلحدیث علماء کرام میں بھینس کی قربانی کے جواز و عدم جواز کے بارے میں اختلاف ہے ۔ لہٰذا اس مسئلہ میں سختی اختیار کرنا درست نہیں ۔ اگر کوئی شخص از راہ احتیاط بھینس کی قربانی کو جائز نہیں سمجھتا تو اس کو یہ رائے رکھنے

کا حق حاصل ہے ۔ لیکن اگر کوئی آدمی دوسرے علماء کی رائے پر عمل کرتے ہوئے یعنی بھینس کو گائے کی قسم میں داخل کر کے اس کی قربانی کے جواز کا قائل ہے تو اس کو ہدف ملامت ٹھہرانا بھی صحیح نہیں ۔

محدث العصر حضرت مولانا ابوالحسن عبید اللہ مبارک پوری حفظہ اللہ اس مسئلہ کی دونوں جہتوں کو پیش نظر رکھ کر فرماتے ہیں ۔ کہ میرے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ قربانی صرف انہی جانوروں کی جائے جن کا ذکر قولی ۔ فعلی اور تقریری احادیث صحیحہ میں آتا ہے ۔ اور اس مویشی کی قربانی سے گریز کیا جائے جس کی قربانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور تابعین سے ثابت نہیں ۔ اور جو شخص بھینس کی قربانی کے جواز کے قائلین کے دلائل سے مطمئن ہو ۔ اور ان کی رائے پر عمل کرتے ہوئے بھینس کی قربانی دے تو اس پر بھی ملامت نہیں ۔

قربانی کا جانور موٹا تازہ اور سینگ دار ہونا چاہئے :

صحیح مسلم میں ہے حضرت انس کہتے ہیں کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگدار سیاہ دھاری والے منڈھوں کی قربانی دی ۔

خصی ہونا عیب نہیں :

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو موٹے بڑے سفید سیاہی مائل سینگوں والے خصی مینڈھے بطور قربانی ذبح فرمائے ۔

فائدہ :

اگرچہ سینگدار مستحب اور بہتر ہے تاہم وہ جانور جو قدرتی طور پر بے سینگ ہو وہ پر جائز ہے ۔

مسئلہ :

آج کل خوشحال گھرانے بہ زعم خویش دینی جذبہ کے تحت ایک ایک بکرا ۔ مینڈھا ۔ دنبہ ہزاروں روپوں میں خریدنے پر فخر محسوس کرتے ہیں ۔ اگر اس میں ریا اور نمود نہ بھی ہو تو بھی یہ رجحان متوسط گھرانوں کی پریشانی کا باعث بن رہا ہے ایک طرف تو وہ

اپنے وسائل کی کمی کی وجہ سے احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں اور دوسری طرف قربانی کی سعادت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ قربانی کے ایام میں مویشیوں کے تاجر اس غلط رجحان سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے مویشیوں کی قیمت میں دس دس گنا بے جا اضافہ کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ قربانی نہیں کرپاتے۔ مزید برآں ان ایام میں قربانی کے ناقابل مویشیوں کو قابل بنانے کے لئے جان بوجھ کر ان کے دانت اکھاڑ دیتے ہیں تاکہ اس کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کی جا سکے۔ لہٰذا مجھے تو ڈر لگتا ہے کہ کہیں اس رجحان کے ڈانڈے اسراف اور دھوکہ دہی کے ساتھ نہ مل جائیں۔ واللہ الھادی۔

قربانی کے جانور کی عمر:

قربانی کا جانور دو دانت (دو دنتا) ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ قربانی کا جانور دو دنتا ہونا چاہئے۔ اگر باوجود کوشش و تلاش کے دو دنتا جانور نہ ملے تو پھر دنبہ یا مینڈھا کھیرا بھی جائز ہے بشرطیکہ ایک سال سے کم نہ ہو۔ مگر موٹا تازہ ہونا ضروری ہے۔

حضرت مولانا عبید اللہ رحمانی مبارک پوری اس حدیث میں رقمطراز ہیں دو دنتا اونٹ وہ ہے وہ جو اپنی عمر کے چھٹے سال میں داخل ہو۔ اور گائے وہ دو دنتی ہوتی ہے جو تیسرے سال یعنی پورے اڑھائی برس کی اور بکرا اور بکری وہ مسنہ ہوتی ہے جو دوسرے سال میں داخل ہو۔ پھر فرماتے ہیں دو دنتا کے علاوہ اور کسی جانور کی قربانی ناجائز ہونے کی یہ حدیث دلیل ہے اور اس پر نص ہے کہ کھیرا مینڈھا (ایک سالہ) اس وقت جائز ہے جبکہ دو دنتا ملنا مشکل ہو جائے۔ دو دنتا با آسانی میسر آجانے کی صورت میں کھیرا مینڈھا جائز نہیں۔

آجکل لوگ کھیرا بکرا بھی قربانی کرنے لگ گئے ہیں۔ جو کسی صورت میں جائز نہیں۔ کھیرا دنبہ یا مینڈھا صرف بامر مجبوری جائز ہے ورنہ وہ بھی جائز نہیں ہے۔

قربانی کے جانور میں اشتراک:

دنبہ مینڈھا ۔ بکرا نر اور مادہ ایک فرد یا ایک اہل خانہ کی طرف سے کافی ہے ۔ گائے میں سات اور اونٹ میں دس حصہ دار شامل ہو سکتے ہیں ۔ چنانچہ حدیث میں ہے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں ہم لوگ ایک دفعہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور قربانی کا دن آگیا ۔ تو ہم نے ایک گائے میں سات فریق اور اونٹ میں دس دس حصہ دار بن کر قربانی کی ۔

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ اونٹ میں دس حصہ داروں کے اشتراک کی تائید رافع بن خدیج کی اس حدیث سے ہوتی ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم فعدل عشرا من الغنم اونٹ کی قربانی کے اشتراک میں اختلاف ہے ۔ شافعیہ حنفیہ اور جمہور کے نزدیک صرف سات حصہ دار شامل ہو سکتے ہیں ۔ ابن عباس کی رو سے ۔ اور یہی صحیح ہے کہ قربانی کے اونٹ میں دس فریق شرکت کر سکتے ہیں ۔ مگر جابر کی حدیث کی رو سے اونٹ کی ھدی میں صرف سات حصہ دار شریک ہو سکتے ہیں ۔

ھدی اور قربانی میں فرق :

ھدی اس قربانی کو کہتے ہیں جو مکہ مکرمہ میں پہنچائی جائے ۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے ۔ ھدیا بالغ الکعبۃ اور اضحیہ اس قربانی کو کہتے ہیں جو اپنے اپنے وطن اور گھر میں ذبح کی جائے ۔

قربانی کا جانور عیب دار نہ ہو :

قربانی میں ذبح کیا جانے والا جانور مندرجہ ذیل عیوب سے پاک ہونا لازمی ہے حضرت براء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں آپ نے فرمایا درج ذیل چار جانور قربانی نہ کئے جائیں ۔ (۱) لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن بالکل ظاہر ہو ۔ (۲) کانا (بھینگا) جس کا کانا ہونا صاف نظر آتا ہو ۔ (۳) بیمار جانور جس کی بیماری بالکل عیاں ہو ۔ (۴) کمزور اور دبلا جانور جن کی ھڈیوں میں گودا نہ ہو ۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۵۳ ' نسائی ۲ ۔ ۱۹۵ باب العجفاء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم قربانی کے جانور کی آنکھ اور

کان اچھی طرح دیکھ لیا کریں ۔ اور درج ذیل جانور جانوروں کی قربانی سے منع فرمایا ۔ (۱) مقابلہ جن کے کان اوپر کی جانب سے کٹے ہوئے ہوں (۲) مدابرہ جس کے کان پیچھے کی طرف سے کٹے ہوئے ہوں ۔ (۳) شرقاء وہ جانور جس کے کان لمبائی میں چرے ہوئے ہوں ۔ (۴) خرقاء جن کے کان میں گول سوراخ ہو ۔ (مشکوۃ شریف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نصف یا نصف سے زیادہ کان کٹا اور سینگ ٹوٹا جانور قربانی کرنا منع ہے ۔ جناب سعید بن مسیب نے یہی معنی متعین فرمایا ہے ۔ (تحفہ الاحوذی ۲ ۔ ۳۵۷ نسائی ۲ ۔ ۱۴۲)

خریدنے کے بعد عیب پیدا ہو جائے تو:

قربانی کا جانور خریدنے کے بعد اگر اس میں کوئی عیب پیدا ہو جائے تو بہتر یہ ہے کہ دوسرا صحیح سالم جانور خرید لیا جائے تاہم وہ نادار آدمی جو دوسرا جانور خریدنے کی ہمت نہ رکھتا ہو وہ اسی عیب والے جانور کی قربانی کر سکتا ہے جیسا کہ ایک ضعیف حدیث میں وارد ہے ۔ حضرت ابو سعید سے روایت ہے کہ قربانی کے لئے ایک تندرست مینڈھا (دنبہ) خریدا پھر ایک بھیڑیئے نے اس کی چکی اور کان کاٹ لئے ۔ ہم نے اس کے جواز و عدم جواز کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ۔ تو آپ نے اس کی قربانی ذبح کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی ۔ یہ روایت مسند احمد اور منتقی میں بھی مروی ہے مگر حافظ ابن حجر امام محمد بن اسماعیل الکحلانی اور امام محمد بن علی الشوکانی تینوں اس حدیث کے سخت ضعف کی وجہ سے اس کو قابل استدلال نہیں سمجھا ۔ مگر صاحب المنتقی نے اس حدیث کو قابل حجت قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جانور کو نامزد کرنے کے بعد پیدا ہونے والا عیب قربانی میں مخل نہیں ہوتا۔

حاملہ جانور کی قربانی بھی جائز ہے:

حاملہ اونٹنی ، گائے وغیرہ کی قربانی بھی جائز اور صحیح ہے کیونکہ اس کی ممانعت کی کتب حدیث میں کوئی صراحت نہیں ۔ اس لئے بحکم حدیث نبوی " ما سکت عنہ فہو عفو " ایسے جانور کی قربانی جائز ہو گی ۔

اگر حاملہ جانور قربانی کے لئے خریدنے کے بعد قربانی کے دن سے پہلے بچہ دے دے تو قربانی والے دن ماں اور اس کے بچے دونوں کو ذبح کر دیا جائے۔ مگر یہ ایک ہی قربانی شمار ہو گی۔ دو نہیں۔ اس بارہ میں حافظ ابن حجر نے حضرت علی کا ایک اثر یہ نقل فرمایا " عن علی انہ رای رجلا یسوق بدنہ معہا ولدہا فقال لا تشرب من لبنہا الا ما فضل عن ولدہا۔ البیہقی۔ تلخیص الحبیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۶۔ کہ حضرت علی نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ قربانی کا جانور ہانک رہا تھا۔ اس جانور کا بچہ بھی اس کے ساتھ تھا۔ حضرت علی نے فرمایا کہ اس قربانی کا دودھ تمہارے لئے جائز نہیں مگر جو اس کے بچہ کی غذا سے زائد ہو۔ وہ پی سکتے ہو۔ مزید تفصیل مغنی ابن قدامہ جلد ۳ صفحہ ۱۱ پر ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت علی کے اس اثر سے معلوم ہوا کہ قربانی کے جانور سے فائدہ لیا جا سکتا ہے۔ اس کا دودھ پینا اور اس پر سواری کرنا جائز ہے۔

گابھن جانور کی قربانی کے بعد اس کے پیٹ سے نکلنے والے بچے کو بھی ساتھ قربان کر دے۔ خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ دونوں صورتوں میں ذبح شدہ جانور کے پیٹ سے نکلنے والا بچہ بھی حلال ہے۔ جیسا کہ امام ابن قیم نے اعلام الموقعین میں ارقام فرمایا ہے۔

" فہو حلال باجماع الصحابہ کما نقلہ الماوردی۔ جلد ۲ صفحہ ۱۷۳ "

حضرت علی کا ایک اثر جامع ترمذی میں بھی ہے۔ عن علی قال البقرہ عن سبعہ قلت فان ولدت قال اذبح ولدہا معہا (تحفۃ الاحوذی جلد ۲ صفحہ ۳۵۷) حجیہ بن عدی کہتے ہیں حضرت علی نے فرمایا گائے کا جانور سات حصہ داروں کے لئے کافی ہے۔ حجیہ کہتے ہیں میں نے کہا کہ اگر گائے بچہ دے دے تو اس کا کیا کیا جائے تو حضرت علی نے فرمایا اسے بھی اس کی ماں کے ساتھ ذبح کر دیا جائے۔ حنفیہ بھی گابھن گائے وغیرہ کی قربانی کو جائز کہتے ہیں۔ فتاوی دار العلوم دیوبند جلد ۱ صفحہ ۷۱۸۔

اگر قربانی کا جانور گم ہو جائے:

اگر قربانی کا جانور گم ہو جائے تو پھر اگر دوسرا جانور خریدنے کی طاقت ہو تو پھر دوسرا جانور خرید کر قربانی دے دینی چاہئے۔ اور اگر جانور خرید لینے کے بعد پہلا جانور

بھی مل جائے تو پھر دونوں کی قربانی کر دینی چاہئے ۔ جیسا کہ حضرت عطاء تابعی حضرت عائشہ کا عمل نقل فرماتے ہیں ۔ " ان عائشۃ اشترت بدنۃ فاضلتھا فاشترت مکانھا ثم وجدتھا فنحرتھا جمیعا ثم قالت کان فی علم اللہ ان انحرھا جمیعا ۔ تلخیص الحبیر جلد ۴ صفحہ ۱۴۶ ۔ حضرت عائشہ نے قربانی کا جانور خریدا ۔ پھر وہ گم ہو گیا ۔ حضرت عائشہ نے اس کے بدل میں ایک اور قربانی خرید فرمائی ۔ پھر پہلا جانور بھی مل گیا تو انہوں نے دونوں کی قربانی کردی اور فرمایا کہ اللہ کے علم میں پہلے سے یہ مقدر تھا کہ کہ اب کی بار میں دو قربانیاں ذبح کروں گی ۔ فتاوی دار العلوم جلد ۱ صفحہ ۱۳۷ میں بھی یہ مسئلہ موجود ہے یعنی مفتی عزیز الرحمان نے بھی لکھا ہے کہ دونوں جانوروں کی قربانی کر دینی چاہئے ۔

اگر قربانی کا جانور ذبح ہو جائے :

حضرت عائشہ کے اس اثر سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر قربانی کا جانور ایام قربانی سے پہلے ہی ذبح ہو جائے یا مر جائے تو صاحب استطاعت کو دوسرا جانور خرید کر قربانی ذبح کرنی چاہئے ۔ اگر صاحب استطاعت نہ ہو تو اس کو قربانی کا ثواب مل جائے گا ۔

قربانی تبدیل کرنا :

مولانا عبد الجبار سلفی کے مطابق جناب عکرمہ ، جناب مجاہد ، امام مالک ، امام محمد ، امام احمد بن حنبل اور امام ابوحنیفہ جواز کے قائل ہیں (مغنی ابن قدامہ مع شرح الکبیر بحوالہ ہفت روزہ الاعتصام جلد ۳۵ شمارہ ۷ ۔ ۸ محرم ۷ تا ۱۴ ذوالحجہ سنہ ۱۴۰۳) جبکہ حضرت علی سے ایک اثر اس موقف کے خلاف مروی ہے ۔ چنانچہ تلخیص الحبیر میں ہے " عن سلمہ بن کہیل عن خال لہ انہ سال علیا عن اضحیۃ اشتراھا فقال لو یستبدلھا لاضحیہ ؟ فقال نعم ، فکرھہ (جلد ۴ صفحہ ۱۳۵) کہ جناب سلمہ بن کہیل کے ماموں نے حضرت علی سے پوچھا کہ میں نے قربانی کا جانور خرید کیا تھا ۔ اب میں اسے تبدیل کرلوں ؟ تو حضرت علی نے فرمایا کیا تم نے اس جانور قربانی کے لئے معین کرلیا ہے تو انہوں نے کہا ہاں تو حضرت علی نے اس کو تبدیل کرنے کو مکروہ قرار دیا ۔

اس ہیچ مدان کے نزدیک قربانی کے جانور کی تعیین کے بعد اس کو تبدیل کرنا

مناسب نہیں ۔ واللہ اعلم ۔

ذبح کا وقت :

حدیث صحیحین کے مطابق قربانی ذبح کرنے کا وقت بعد از نماز عید ہے قبل از نماز عید قربانی بس گوشت ہے جو کھا لیا گیا ہے قربانی نہیں ۔ حضرت براء فرماتے ہیں ۔" قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فقال انما اول ما نبدأ بہ من یومنا ہذا ان نصلی ۔ ثم نرجع فننحر فمن فعل فقد اصاب سنتنا ومن نحر قبل الصلوٰۃ فانما ہو لحم یقدمہ لاہلہ لیس من النسک فی شیء ۔ (صحیح بخاری باب الذبح بعد الصلوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۸۳۲) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم پہلے نماز عید ادا کرتے ہیں اور واپس لوٹ کر قربانی ذبح کرتے ہیں اور جس نے ایسا کیا تو اس نے ہماری سنت پر عمل کیا اور صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں " قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی صلاتنا و وجہ قبلتنا ونسک نسکنا فلا یذبح حتی یصلی (صفحہ ۱۵۴ جلد ۲ باب وقت الاضحیہ ۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہماری طرح ہمارے قبلہ کی سمت میں نماز پڑھتا ہے اور ہماری طرح قربانی کرتا ہے تو نماز سے پہلے قربانی ذبح نہ کرے ۔

چھری تیز ہونی چاہئے :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا تھا کہ چھری تیز کر کے لاؤ " قال لعائشۃ ہلمی المدیۃ ثم قال اشحذیہا بحجر ففعلت ثم اخذہا واخذ الکبش فاضجعہ ثم ذبحہ ثم قال بسم اللہ اللہم تقبل من محمد وآل محمد ومن امۃ محمد ثم ضحی بہ " (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۵۶)

حضرت عائشہ صدیقہ کہتی ہیں کہ آپ کے پاس قربانی کے لئے ایک مینڈھا لایا گیا تو آپ نے مجھے چھری لانے کو فرمایا ۔ میں چھری لے کر حاضر ہوئی تو آپ نے حکم دیا کہ پتھر پر اس کو تیز کر لو ۔ پھر آپ نے مینڈھے کو لٹا کر بسم اللہ کے ساتھ ذبح فرمایا اور کہا اے اللہ اس کو میری اور میری آل اور امت کی طرف سے قبول فرمایا ۔

مسئلہ : علماء نے لکھا ہے کہ ذبح کے وقت قربانی کے جانور کا رخ قبلہ کی جانب ہونا مستحب ہے ۔

ذبح کرنے کی دعا

قربانی ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہنا چاہئے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ٹانگ شریف مینڈھوں کی گردن پر رکھ کر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر بذات خود ذبح فرمائے ۔ (صحیح بخاری باب التکبیر عند الذبح جلد ۲ صفحہ ۸۵۴)

عون المعبود میں مزید یہ دعا بھی مروی ہے کہ آپ نے ذبح کرتے وقت یہ دعا پڑھی "انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض علی ملۃ ابراہیم حنیفا و ما انا من المشرکین ۔ ان صلوتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا من المسلمین ۔ اللھم منک ولک عن محمد وامتہ بسم اللہ واللہ اکبر ثم ذبح (جلد ۳ صفحہ ۵۳ باب ما یستحب من الضحایا)

خصی جانور کی قربانی:

اگرچہ ضمناً پہلے بھی یہ مسئلہ حوالہ قرطاس ہو چکا ہے تاہم اب قدرے تفصیل پیش کی جاتی ہے ۔ بعض اہل علم کے نزدیک خصی جانور قربانی میں جائز نہیں مگر ان کا یہ موقف درست نہیں کیونکہ احادیث صحیحہ کے مطابق خصی جانور کی قربانی بلاشبہ جائز بلکہ سنت ہے کیونکہ خصی ہونا عیب نہیں ۔ جیسا کہ صحیح مسلم، مسند احمد وغیرہ میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو خصی مینڈھے قربان کیے تھے ملاحظہ ہو (نیل الاوطار جلد ۵ صفحہ ۳۵)

خود ذبح کرنا افضل ہے:

اوپر کی احادیث کے مطابق اپنے ہاتھ سے قربانی ذبح کرنا سنت ہے ۔ اگر خود ذبح نہ کر سکے تو دوسرا آدمی بھی ذبح کر سکتا ہے ۔ جیسا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں یہ باب باندھا ہے "باب من ذبح ضحیۃ غیرہ واعان رجل ابن عمر فی بدنۃ و امر ابوموسیٰ بناتہ ان یضحین بایدیہن" ۔ پھر حضرت عائشہ والی وہ حدیث لائے ہیں جن میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی ذبح فرمائی ۔ (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۳۴)

قربانی پہلے دن (دس ذوالحجہ) افضل ہے ۔ حضرت عائشہ کی ایک حدیث کی رو سے دس ذوالحجہ کو قربانی ذبح کرنا افضل ہے " ما عمل ابن آدم یوم النحر عملا احب الی اللہ من اہراق الدم " (الحدیث ' ترمذی ' ابن ' بحوالہ نیل الاوطار)

ایام تشریق میں قربانی کرنا :

دسویں ذوالحجہ کے بعد ۱۱ ۔ ۱۲ ۔ ۱۳ ذی الحجہ تک قربانی ذبح کی جا سکتی ہے جو ایام تشریق ہیں لقولہ تعالیٰ " لیشھدوا منافع لہم و یذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات ۔ سورہ الحج)

حضرت ابن عباس کی تفسیر کے مطابق ایام معلومات سے ۱۰ ۔ ۱۱ ۔ ۱۲ اور ۱۳ ذی الحجہ کے دن ہی مراد ہیں ۔ اور یہی تفسیر حضرت عبد اللہ بن عمرو ابراہیم نخعی سے منقول ہے ۔ والیہ ذہب احمد بن حنبل فی روایہ ۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۲۱۷

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ایام تشریق (۱۱ ۔ ۱۲ ۔ ۱۳) کو قربانی کے دن قرار دیئے ہیں ۔ الفاظ یہ ہیں :

" عن جبیر بن مطعم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کل ایام التشریق ذبح (رواہ احمد والدار قطنی نحوہ و اخرجہ ایضا ابن حبان فی صحیحہ والبیہقی تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۲۲۳ ۔ نصب الرایہ جلد ۴ صفحہ ۲۱۳ ۔ حضرت علی نے فرمایا کہ عید کے دن اور اس کے بعد تین دن تک قربانی ذبح کی جا سکتی ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے ۔

مسئلہ : عورت بھی اپنی قربانی خود ذبح کر سکتی ہے جیسا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اپنی بیٹیوں کو اپنی قربانیاں خود ذبح کرنے کا حکم دیا تھا ۔ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۳۴ ۔ لہٰذا لوگوں میں یہ جو مشہور ہے کہ عورت ذبح نہیں کر سکتی سراسر غلط ہے ۔

ذبح کے وقت گردن پر پاؤں رکھنا :

یہ حدیث پہلے لکھی جا چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی ذبح کرتے وقت قربانی کے مینڈھے کی گردن پر اپنا پاؤں شریف رکھا تھا ۔ نیز اس حدیث سے قربانی کو قبلہ رخ کر کے ذبح کا استحباب بھی ثابت ہوتا ہے ۔

گوشت کو تقسیم کرنا اور ذخیرہ کرنا :

قرآن مجید میں ہے " کلوا منہا و اطعموا القانع و المعتر " (سورہ الحج)

قربانی کے گوشت سے خود بھی کھاؤ اور خود دار محتاج اور سوالی کو بھی کھلاؤ ۔

" عن سلمہ بن الاکوع قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلوا و اطعموا وادخروا فان ذلک العام کان بالناس جہد فاردت ان تعینوا فیہا (صحیح البخاری ' باب ما یوکل من لحوم الاضاحی جلد ۲ صفحہ ۸۳۵)

حضرت سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ ایک سال آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت اپنے گھر ذخیرہ نہ رکھے جب اگلا سال آیا تو ہم نے عرض کیا کہ کیا سابق حکم اب بھی باقی ہے ؟ آپ نے فرمایا خود کھاؤ ۔ دوسروں کو کھلاؤ اور ذخیرہ کر لو ۔ گزشتہ لوگوں میں تنگدستی زیادہ تھی ۔ میں نے ان کے تعاون کے لئے گزشتہ برس یہ حکم دیا تھا ۔

قربانی کا گوشت خود کتنا کھائے اور کتنا تقسیم کرے ۔ اس کی کوئی معین کسی نص صریح سے ثابت نہیں تاہم بعض اہل علم نے قرآن مجید کی مذکورہ بالا عنوان آیت کے تحت فرمایا ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کر لئے جائیں ۔ ایک حصہ اپنے لئے ۔ دوسرا حصہ دوستوں اور پڑوسیوں کے لئے اور تیسرا حصہ فقیروں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیا جائے ۔

" وقد احتج بہذہ الآیۃ الکریمۃ من ذہب من العلماء الی ان الاضحیۃ تجزا ثلاثۃ اجزاء ثلث لصاحبہا یاکلہ و ثلث یہدیہ لاصحابہ و ثلث یتصدق بہ علی الفقراء (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۲۲۲)

غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دینا جائز ہے :

قربانی کا گوشت غیر مسلم کو بھی دینا جائز ہے ۔ قرآن مجید میں واطعموا القانع و المعتر کہ نہ مانگنے والوں اور مانگنے والوں کو کھلاؤ اور یہ حکم عام ہے جس میں غیر مسلم بھی شامل ہیں ۔

مسئلہ : قربانی کا جانور چونکہ تقرب الہی حاصل کرنے کے لئے ذبح کیا جاتا ہے لہذا اس کا گوشت فروخت کرنا جائز نہیں ۔

قربانی کی کھال کا حکم :

قربانی کی کھال ، رسی ، جل ، گھنٹی ، ہار وغیرہ کو صدقہ کر دینا چاہئے ۔ حدیث ہے :

" عن علی بن ابی طالب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرہ ان یقسم بدنہ کلھا لحومھا و جلودھا وجلالھا للمساکین (سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۲۳۵) "

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کا گوشت ، کھال اور جل وغیرہ کو فقراء میں تقسیم کرنے کا حکم دیا (صحیح بخاری جلد ۲ و صفحہ ۲۳۲ باب یتصدق بجلود الہدی اور باب لا یعطی الجزار من الہدی شیئا ۔)

عن علی قال امرنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اقوم علی البدن ولا اعطی علیھا شیئا فی جزارتھا " کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانیوں کی نگرانی کا حکم دیتے ہوئے مجھے فرمایا کہ قربانی کے گوشت یا کھال کو بطور جزارت (قصاب کی اجرت) کے نہ دوں ۔

کھال کا مصرف :

مذکورہ الصدر احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ قربانی کی کھال فقراء اور مساکین اور بیوگان اور یتیم بچوں کا حق ہے ۔ بعض لوگ قربانی کی کھال اپنی مالدار بیٹیوں کو دے دیتے ہیں جو ان احادیث کی رو سے ہرگز جائز نہیں ۔ اسی طرح امام مسجد کو امامت کے عوض کھالیں دینا بھی ناجائز ہے ۔

کھال فروخت کرنا :

بہتر یہی ہے کہ قربانی کی کھال فروخت نہ کی جائے بلکہ مسکینوں اور غریبوں کے حوالہ کر دی جائے تاہم نیک مصلحت کے تحت فروخت کر کے قیمت تقسیم کرنا بھی جائز ہے ۔

ایک حدیث یہ بھی ہے " عن قتادہ بن النعمان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قام فقال انی کنت امرتکم ... فاستمتعوا بجلودھا و لا تبیعوھا ۔ (رواہ احمد وقال الشوکانی قال فی مجمع الزوائد انہ مرسل صحیح الاسناد ، فتاوی نذیریہ جلد ۲ صفحہ ۲۴۳) کہ قربانی کی کھالوں کو خود استعمال کرو اور فروخت مت کرو ۔

کھال کو اپنے استعمال میں لانا :

اوپر کی حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کی کھال کا بستر ، مصلی ، ڈول ، چھلنی بنا کر

خود استعمال کرنا بھی جائز ہے تاہم فروخت کر کے قیمت ہضم کر لینا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔

بجائے قربانی کے نقدی صدقہ کرنا:

قربانی کا جانور ذبح کرنے کی بجائے اس کی قیمت صدقہ کرنا نہ صرف یہ کہ احادیث صحیحہ تعامل امت کے خلاف ہے بلکہ نص قرآنی کے بھی خلاف ہے۔ "والبدن جعلنٰها لکم من شعائر الله لکم فیها خیر فاذکروا اسم الله علیها صواف فاذا وجبت جنوبها فکلوا منها واطعموا القانع والمعتر (سورہ الحج آیت ۳۶) اور قربانی کے جانور اونٹ اور گائے ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیوں میں سے کئے۔ تمہارے لئے ان میں بھلائی ہے۔ ان پر اللہ کا نام لو ایک پاؤں بندھے اور تین پاؤں پر کھڑے۔ پھر جب ان کی کروٹیں گر جائیں تو ان کا گوشت خود کھاؤ اور خود دار محتاج اور سوالی کو بھی کھلاؤ۔

اس آیت کریمہ میں قربانی کے جانور کو شعائر اللہ میں شامل فرمایا گیا ہے اور شعائر اسلام میں تبدیلی قطعاً جائز نہیں ہے۔ "ومن یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب (الحج آیت ۳۲) اور جو شخص ادب کی چیزوں کی جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے تو یہ عظمت اور بڑائی کرنا دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔ یعنی اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے تبھی تو وہ شعائر کی تعظیم کرتا ہے۔

سورہ مائدہ کے شروع میں فرمایا "یا ایها الذین آمنوا لا تحلوا شعائر الله ولا الشهر الحرام ولا الهدی ولا القلائد (المائدہ ۲) اے ایماندارو اللہ کی نشانیوں اور اس کے حکموں کی بے عزتی نہ کرو۔ نہ حرمت والے مہینے کی نہ نیاز کے جانور کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹکن ہوں۔

راغب اصفہانی ان آیات کی تشریح میں لکھتے ہیں شعائر اللہ سے مراد قربانی کے وہ جانور ہیں جو بیت اللہ کی طرف بھیجے جاتے تھے اور قربانی کو شعیرہ اس لئے کہا گیا کہ شعیرہ (یعنی تیز) لوہے سے اس کا خون بہا کر اس پر نشان لگا دیا جاتا تھا۔ (مفردات القرآن صفحہ ۵۴۱)

ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کو قربانی کے جانوروں کا خون بہانا مطلوب ہے ۔ ان کی جگہ پر ان کی قیمت کو صدقہ کر دینا ہرگز مطلوب نہیں اور دوسری یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آ گئی کہ قربانی شعائر اللہ میں سے ایک اسلامی شعار ہے اور شعار اسلام میں تبدیلی تقوی کے سراسر خلاف ہے ۔بلکہ اس کی تعظیم اور حرمت فرض اور ضروری ہے ۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ نقدی تقسیم کرنے سے وہ اجر و ثواب حاصل نہیں ہوتا جو ثواب قربانی کے جانور کی قیمت پر نقدی خرچ کرنے سے حاصل ہوتا ہے ۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے " عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما انفقت الورق فی شئ و افضل من نحیرہ فی یوم النحر (رواہ الدار قطنی) بحوالہ (نیل الاوطار جلد ۵ صفحہ ۱۴۳ و ۱۴۴) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قربانی کے دن قربانی پر خرچ شدہ درہم قربانی کے علاوہ دوسرے تمام قسم کے کار خیر پر خرچ کرنے سے افضل ہیں ۔

اور یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ آج کے منکرین جس غربت اور افلاس کو بنیاد بنا کر قربانی کی مشروعیت کے خلاف آسمان سر پر اٹھائے واویلا کرتے نہیں تھکتے یہ غربت اور افلاس دور نبوت میں آج کے مقابلہ میں کہیں زیادہ تھی ۔ لیکن اس کے باوصف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام ' تابعین عظام اور ائمہ سلف صالحین قربانی کا تعامل قربانی ذبح کرتے پر متوارث چلا آرہا ہے ۔ لہذا دلائل اور حقائق کے ہوتے ہوئے قربانی کی مشروعیت کے خلاف پروپیگنڈہ سراسر شرمناک حرکت ہے ۔ اعاذنا اللہ منہ ۔ آمین ۔

میت کی طرف سے قربانی ذبح کرنا :

میت کے طرف سے قربانی ذبح کرنا جائز اور درست ہے جیسا کہ مسئلہ نمبر ۳ میں حضرت عائشہ صدیقہ کی حدیث ذکر ہو چکی ہے ۔ قارئین کی سہولت کے پیش نظر دوبارہ حوالہ قرطاس ہے ۔

" عن عائشہ رضی اللہ عنھا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بکبش اقرن یطا فی سواد یبرک فی سواد

و ینظر فی سواد فاتی به لیضحی به قال یا عائشه ھلمی المدیه ثم قال اشحذیھا بحجر ففعلت ثم اخذھا و اخذ الکبش فاضجعه ثم ذبحه ثم قال بسم اللہ اللھم تقبل من محمد و آل محمد و من امه محمد ثم ضحی به (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۵۶ وفی روایه لاحمد و ابی داؤد والترمذی) ذبح بیده و قال بسم اللہ واللہ اکبر اللھم ھذا عنی و عمن لم یضح من امتی (مشکوٰۃ جلد ' صفحہ ۱۲۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ایک/سینگوں والا مینڈھا لایا جائے جس کے پاؤں سینہ اور منہ سیاہ ہوں ۔ وہ لایا گیا تو آپ نے فرمایا اے عائشہ چھری لاؤ پھر فرمایا اسے کسی پتھر پر رگڑ کر تیز کر لو ۔ جب وہ تیز کر کے لائیں ۔ تو آپ نے چھری پکڑی اور مینڈھے کو لٹایا اور ذبح کر ڈالا ۔ ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہا اور فرمایا اے اللہ اسے محمد آل محمد اور امت محمد کی طرف سے قبول فرما اور امام احمد ' ابوداؤد اور ترمذی میں ہے پھر فرمایا بسم اللہ واللہ اکبر اے اللہ یہ میری طرف سے ہے اور ان لوگوں کی طرف سے جو میری امت میں سے قربانی نہ کر سکیں ۔

اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ آپ کے بعض صحابہ اور امت کے کچھ لوگ آپ کی حیات طیبہ میں وفات پا چکے تھے ۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ امت کا لفظ ان کو بھی شامل ہے ۔ لہٰذا اس حدیث صحیح سے ثابت ہوا کہ میت کی طرف سے قربانی ذبح کرنے کا ثبوت خود آپ کے عمل سے ثابت ہے ۔

عن حنش قال رایت علیا رضی اللہ عنہ ضحی بکبشین فقلت له ما ھذا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اوصانی ان اضحی عنه فانا اضحی عنه (عون المعبود جلد ۲ باب ما جاء فی ایجاب الاضاحی صفحہ ۵۰) حنش کہتے ہیں کہ حضرت علی نے دو مینڈھے ذبح کیے ۔ میں نے دریافت کیا یہ کیسے ہیں ؟ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں سو میں ذبح کرتا ہوں ۔

وفی روایه محمد الحاکم انه کان یضحی بکبشین عن النبی صلی اللہ علیه وسلم و بکبشین عن نفسه (عون جلد ۲ صفحہ ۵۰) کہ امام حاکم کے مطابق ایک صحیح روایت میں ہے کہ حضرت علی چار مینڈھے قربانی کرتے تھے ۔ دو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور دو اپنی طرف سے

امام شمس الحق ڈیانوی اس حدیث کی شرح میں کتاب غنیۃ الالمعی کے حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں: "قول بعض اہل العلم الذی رخص فی الاضحیۃ عن الاموات مطابق للادلۃ وقول من منعہا لیس فیہ حجۃ للا یقبل کلامہ الا بدلیل اقوی منہ ولا دلیل علیہ والثابت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یضحی عن امتہ ممن شہد لہ بالتوحید و شہد لہ بالبلاغ و عن نفسہ و اہل بیتہ (عون المعبود حوالہ ایضا) کہ جن اہل علم نے فوت شدہ کی طرف سے قربانی کو جائز کہا ہے ان کا قول دلائل ثابتہ صحیحہ کے مطابق ہے اور جنہوں نے منع کا قول کیا ہے ان کے پاس منع کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ صحیح مسلم کی مذکورہ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی طرف سے قربانی کرتے رہے ہیں۔ مزید لکھتے ہیں "ولا یخفی ان امتہ صلی اللہ علیہ وسلم من شہد لہ بالتوحید وشہد لہ بالبلاغ کان کثیر منہم موجودا زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکثیر منہم توفوا فی عہدہ صلی اللہ علیہ وسلم فالاموات والاحیاء کلہم من امتہ صلی اللہ علیہ وسلم دخلوا فی اضحیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم والکبش الواحد کما کان للاحیاء کذلک للاموات من امتہ صلی اللہ علیہ وسلم (عون المعبود صفحہ ۵۰ جلد ۳) اور یہ حقیقت بھی مخفی نہیں کہ آپ کی امت کے وہ لوگ جنہوں نے آپ کے حق میں توحید اور تبلیغ کی گواہی دی تھی ان میں سے بہت سے لوگ آپ کی حیات طیبہ میں بقید حیات تھے اور بہت سے آپ کی زندگی میں فوت ہو چکے تھے۔ پس فوت شدگان اور زندہ دونوں گروہ آپ کی امت میں شامل ہونے کی وجہ سے آپ کی قربانی میں شریک ہیں اور جس طرح ایک مینڈھا زندہ افراد امت کی طرف سے قربانی ہوتا تھا بعینہ وہ فوت شدگان کی طرف سے بھی تھا۔ اور یہ حدیث امام مسلم، امام دارمی، ابوداؤد، ابن ماجہ، احمد اور حاکم وغیرہ نے حضرت عائشہ، جابر، ابو طلحہ، انس، ابوہریرہ، ابو رافع اور حذیفہ وغیرہ صحابہ کی جماعت سے روایت فرمائی ہے۔ رضی اللہ عنہم (جلد ۳ صفحہ ۵۰)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ ارقام فرماتے ہیں "وتجوز ضحیۃ عن المیت کما یجوز الحج عنہ والصدقۃ عنہ (فتاوی کبری) کہ جس طرح میت کی طرف سے حج اور صدقہ کرنا جائز ہے بالکل اسی طرح اس کی طرف سے قربانی کرنا بھی جائز ہے۔

شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی ارقام فرماتے ہیں کہ واضح رہے کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز اور درست ہے ۔ یدل علیہ ما روی عن عائشہ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بکبش (الحدیث) یعنی جیسا کہ حضرت عائشہ والی مذکور الصدر حدیث اس پر دلالت کرتی ہے (فتاوی نذیریہ جلد ۳ صفحہ ۲۵۱ ۔ ۲۵۲)

فقیہ مرغینانی لکھتے ہیں " واذا اشتری سبعۃ بقرۃ لیضحوا بہا فمات احدہم قبل النحر فقالت الورثۃ اذبحوا عنہ و عنکم اجزاہم (الہدایہ بحوالہ فتاوی نذیریہ جلد ۳ صفحہ ۲۵۲)

احناف کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے کہ سات آدمیوں نے قربانی کے لئے گائے خریدی ۔ ایک حصہ دار ذبح کرنے سے پہلے فوت ہو گیا اور اس کے وارثوں نے دوسرے حصہ داروں کو کہا کہ تم یہ گائے اس فوت شدہ کی طرف سے اور اپنی طرف سے ذبح کر لو ۔ تو اس صورت میں سب کی قربانی ہو جائے گی ۔ اسی طرح علامہ کاسانی اور علامہ شامی بھی فوت شدہ کی طرف سے قربانی کے جواز کے قائل ہیں ۔

مختصر یہ کہ فوت شدہ کی طرف سے قربانی کرنا بلاشبہ جائز ہے اور مانعین کے پاس منع کی کوئی قوی دلیل موجود نہیں ۔ لہٰذا مانعین کا موقف چنداں مضبوط نہیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

فوت شدہ قربانی کے گوشت کا حکم :

فوت شدہ کی طرف سے دی جانے والی قربانی کے گوشت کے بارے میں جناب عبد اللہ ابن مبارک کا فتوی ہے کہ قربانی کرنے والا اس کے گوشت کو خود نہ کھائے بلکہ سارا تقسیم کر دیا جائے مگر ان کی یہ رائے ہے جس کی بنیاد میں کوئی دلیل نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ قربانی کرنے والے کو کھانا درست ہے ۔ نا درست ہونے کی کوئی وجہ نہیں ۔ چنانچہ امام عبد الرحمن مبارکپوری ارقام فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے اور اپنی آل کی طرف سے اور اپنی امت کی طرف سے قربانی کرتے تھے اور آپ کے امت میں بعض لوگ وفات بھی پا گئے تھے لیکن ہرگز یہ ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

قربانی کا گوشت خود نہیں کھایا اور کل گوشت یا بقدر حصہ اموات مع صدقہ کر دیا ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک قربانی کرتے تھے ۔ لیکن حضرتؓ کا اس قربانی کے گوشت کو خود نہ کھانا اور سارا گوشت کو صدقہ کر دینا ہرگز ثابت نہیں ۔ رہا فتوی عبد اللہ بن مبارک کا سوال سو یہ ان کی رائے ہے اور ان کی اس رائے پر کوئی صحیح دلیل موجود نہیں (فتاوی نذیریہ جلد ۳ صفحہ ۲۴۳ و ۲۴۴)

راقم الحروف کے والد گرامی حضرت مولانا محمد حسین بلوچ ۔ حفظہ اللہ کا بھی یہی فتوی ہے کہ قربانی کرنے والا خود بھی کھا سکتا ہے ۔ سارا گوشت صدقہ کرنا ثابت نہیں ۔ چونکہ راقم الحروف کو اس مسئلہ کی تحقیق نہ تھی اس لئے میں والد محترم کی رائے پر مطمئن ہوا مگر اب تحقیق کے بعد ثابت ہوا کہ والد گرامی حفظہ اللہ کا فتوی عین صواب اور صحیح ہے ۔

ہرن اور بکری سے پیدا شدہ بچہ کی قربانی :

اگر یہ بچہ بکری کے ساتھ زیادہ مشابہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے ۔ اگر ہرن کے ساتھ زیادہ مشابہ ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں ۔ قربانی کی صورت اس بچہ کو دو برس کا ہونا ضروری ہے ۔ ورنہ قربانی جائز نہ ہو گی ۔

گھوڑے کی قربانی :

گھوڑا اگرچہ حلال جانور ہے اور اس میں کوئی شک نہیں مگر چونکہ بہیمۃ الانعام میں شامل نہیں لہذا اس کی قربانی جائز نہیں ۔ ہذا ما عندی واللہ تعالی اعلم بالصواب ۔

محمد عبید اللہ عفیف